مذاکرۂ علمیہ

واقعہ حضرت داؤد علیہ السلام پر نقد و تبصرہ

(گذشتہ سے پیوستہ)

اس تفصیل و تحقیق کے بعد اب اجازت ہونی چاہیے کہ "مقالہ نگار" کی بیان کردہ تاویل کو بھی "نقد و تبصرہ" کی کسوٹی پر پرکھ کر دیکھا جائے کہ وہ کس حد تک قوی یا کمزور ہے۔ سو "برہان" میں اس طرف اشارہ کیا جا چکا ہے کہ بعض مفسرین نے واقعہ کی خرافات کو رد کرتے ہوئے اس "خرافی روایت" کے ایک حصہ کو تسلیم کر لیا ہے۔ حالانکہ ہمارے نزدیک یہ طریقہ بھی غلط ہے۔ کیونکہ اس سے صرف اتنا ہی فرق پڑتا ہے کہ نبی کی زندگی کو ایک "بڑے گناہ" کی نسبت سے الگ کر کے اس سے کم درجہ کے "اخلاقی گناہ" کی طرف نسبت کر دی گئی۔ اس لیے یہ طریقہ بھی غلط اور عصمتِ انبیاء کے عقیدہ میں خلل انداز ہے اور اس طریقہ کے بطلان میں اس لیے اور بھی قوت پیدا ہو جاتی ہے کہ کبارِ محدثین و مفسرین کا اس پر اتفاق ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور اوریا سے متعلق کوئی روایت صحیح نہیں اور "بغوی" یا اور کسی مفسر نے بعض روایات مرفوع یا موقوف کو جو اس سلسلہ میں روایت کیا ہے اُس کے متعلق حافظ ابن کثیرؒ اور داؤدی نے صراحت کر دی ہے کہ یہ روایات ناقابلِ اعتبار اور ساقط الاعتماد ہیں۔ لہٰذا "مقالہ نگار" کی یہ تاویل

> قرآن مجید کے بیان سے واقعہ کی حقیقت یہ معلوم ہوتی ہے کہ سیدنا داؤد علیہ السلام نے اوریاہ (یا جو کچھ بھی اُس کا نام رہا ہو) سے محض یہ خواہش ظاہر کی تھی کہ وہ اپنی بیوی کو طلاق دیدے۔

اُن کی شخصی عظمت کو پیش نظر رکھ کر وہ ایک طرح سے اپنے آپ کو طلاق دینے پر مجبور پا رہا تھا مگر قبل اس کے کہ وہ طلاق دیتا، قوم کے دو نیک آدمی حضرت داؤد کے پاس اچانک پہنچ گئے، اور اُنھوں نے اس معاملہ کو فرضی مقدمہ کی صورت میں ان کے سامنے پیش کیا۔ مقدمہ سُن کر حضرت داؤد نے وہی فیصلہ دیا جو ایسے معاملہ کا برحق ہو سکتا تھا۔ لیکن مثال کو یہ خیال آیا کہ یہ تو میرا رب میری آزمائش کر رہا ہے۔ چنانچہ فوراً اُنھوں نے توبہ کی اور وفات دعبہ کی عاجزی کے ساتھ خدا سے اپنے قصور کی بخشش چاہی (رسالہ ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۱)

نہ صرف کمزور بلکہ غلط اور بے اصل ہو جاتی ہے کیونکہ جب محدثین اس واقعہ کی کسی کڑی کو تسلیم ہی نہیں کرتے تو اُس پر کسی مسئلہ کی بنیاد کیسے قائم کی جا سکتی ہے۔ علاوہ ازیں "برہان" میں بتایا گیا تھا کہ اس روایت پر تاویل کی بنیاد قائم رکھنے سے جو مفاسد پیدا ہوتے، اور صاحبِ تاویل کو اُن کے دفع کے لیے دور از کار تکلفات کرنے پڑتے ہیں، وہ بھی اس کے غلط اور بے اصل ہونے کو ثابت کرتے ہیں۔ چنانچہ "مقالہ نگار" کو بھی یہی ضیق پیدا ہوئی ہے اور اُس سے نکلنے کے لیے اُن کو بھی بے اصل باتوں کی پناہ لینی پڑی ہے چنانچہ فرماتے ہیں:-

"حضرت داؤد علیہ السلام نے جو کچھ کیا تھا اگرچہ وہ بنی اسرائیل کے ہاں ایک عام دستور تھا، اور اس دستور سے متاثر ہو کر نبی اللہ سے یہ لغزش سرزد ہوئی تھی الخ" (رسالہ ترجمان القرآن)

اور اس دستور کے صحیح ہونے کے ثبوت میں حاشیہ تحریر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:-

"اسرائیلیوں کے ہاں یہ معیوب بات نہ تھی کہ کوئی شخص کسی کی بیوی کو پسند کر کے اس سے طلاق کی درخواست کرے۔ الخ (رسالہ ترجمان القرآن جلد ۱۳ عدد ۱)

ہمیں سخت حیرت ہے کہ ایک محقق کس طرح ان سطور کو زیر قلم لا سکتا ہے۔ اس لیے کہ اول تو اس کا کوئی ثبوت موجود نہیں ہے کہ بنی اسرائیل میں یہ دستور عمدہ اخلاق کی بات تھی نہ کہ مذموم بات اور اگر

ثابت بھی ہو جائے تو مقالہ نگار کی تصریحات اور تورات کی منقولات سے تو اس کے خلاف ظاہر ہوتا ہے، کیونکہ یہ فعل اگر ان کے یہاں محمود تھا تو بڑے آدمی کا فعل ہونے کی وجہ سے اور بھی زیادہ قابلِ تعریف ہوتا اور پھر اُس پر بیہودہ کو بیہودہ حاشیہ آرائی کی ضرورت ہی کیا ہوتی؟ یہ تو جب ہی ہوا کرتا ہے کہ ایک فعل اگرچہ عام طور پر رائج ہو مگر صاحبِ اخلاق انسانوں سے اُس کا صدور معیوب سمجھا جاتا ہو اور اگر کسی بڑے آدمی سے لغزش کے طور پر اُس کا صدور ہو گیا تو دشمن اور مخالف اُس پر حاشیہ آرائی کر کے اُس کو زیادہ سے زیادہ مکروہ بنا دیا کرتے ہیں۔

علاوہ ازیں بنی اسرائیل میں یہ فعل محمود ہو یا مذموم اخلاق کی نگاہ میں ہر حالت میں مذموم ہے اور اس کے بُرے نتائج کہاں تک پہنچتے ہیں وہ ظاہر ہے۔

اس سلسلہ میں یہ بات کس قدر تعجب خیز ہے کہ انصار و مہاجرین کی مواخات اور بھائی چارہ کے واقعات کو اس کے جواز کے لیے دلیلِ راہ بنایا جاتا ہے، حالانکہ اس واقعہ کا اس معاملہ سے دور کا بھی تعلق نہیں۔ کیا کسی ایک مہاجر کا کوئی قول، ارادہ، نیت یا عمل پیش کیا جا سکتا ہے کہ مواخات کے سلسلہ میں اُس نے اپنے انصاری بھائی سے اُس کی بیوی کے لیے طلاق کی خواستگاری کی ہو۔ حاشا وکلا! البتہ اس کے برعکس یہ ثابت ہے کہ جب ایک انصاری نے جوشِ مواخات میں خود ہی اپنے مہاجر بھائی کی خاطر اپنی دو بیویوں میں سے ایک بیوی کو طلاق دینی چاہی تو مہاجر بھائی نے اظہارِ شکریہ کے بعد اُس انصاری کو یہ جواب دے دیا کہ "تمہارا مال اور تمہاری بیوی تم کو مبارک۔ مجھ کو تو بازار کی راہ بتا دو تاکہ میں اپنے ہاتھوں سے کسبِ معاش کر کے معیشت پیدا کر سکوں"۔

اس کے علاوہ اس تاویل در تاویل کے بعد بھی جب بات گنجلک ہوتی نظر آئی تو "مقالہ نگار" کو تکلف در تکلف کر کے یہ اضافہ کرنا پڑا:۔

"ممکن ہے کہ حضرت داؤد نے اُس عورت کی قابلیت اور اُس کی اعلیٰ صلاحیتوں کا حال سُن کر

اسے پسند کیا ہو لیکن بُرے نفوس کی شرارت ہمیشہ ایسے واقعات میں بُرے امکانات ہی کی طرف مائل ہوتی ہے الخ

قارئین کرام خود غور فرمائیں کہ ان فضول تکلفات کی بھرمار محض اس لیے ہو رہی ہے کہ "مقالہ نگار" نے اپنی تاویل کی بنیاد ایک غلط واقعہ پر قائم کرلی ہے اور پھر بھی ان تاویلات کے بعد بات اس حد تک نہیں پہنچتی جو ایک جلیل القدر نبی کی شان کے مناسب ہو۔ اس کے بعد آخر میں مقالہ نگار نے اپنی تاویل کو مضبوط ثابت کرنے کے لیے ایک شبہ پیش فرمایا ہے، وہ یہ:۔

"یہ تاویل اس لحاظ سے بھی مرجح ہے کہ اگر اوریاہ کی بیوی کے معاملہ کی سرے سے کوئی اصلیت ہی نہ ہوتی تو قرآن مجید اس موقعہ پر صاف الفاظ میں اس کی تردید کرتا جس طرح اُس نے حضرت سلیمان کے حق میں کفر و شرک اور ساحری کے الزام کی تردید کی الخ"

مگر ہم اس ترجیح کے سمجھنے سے قاصر ہیں اس لیے کہ اگر کوئی شخص "مقالہ نگار" کے اس شبہ کو اُن ہی کی طرف پلٹ کر یہ کہدے

"آپ کی تاویل اس لیے بھی راجح نہیں ہے کہ اگر اس معاملہ کی کوئی اصلیت ہوتی تو قرآن مجید صاف الفاظ میں اس کی تردید کرتا، جس طرح اُس نے حضرت سلیمان کے حق میں کفر و شرک اور ساحری کے الزام کی (صاف) تردید کی (اور اشارہ کنایہ میں گول مول نہ کہتا)"

تو "صاحب مقالہ" اس کا جو جواب مرحمت فرمائیں وہی جواب ہماری جانب سے بھی سمجھ لیا جائے بات دراصل یہ ہے کہ حضرت داؤد علیہ السلام اور حضرت سلیمان علیہ السلام کے بارہ میں یہود نے جس قدر بھی ہفوات وخرافات مشہور کیں اُن کی بنیاد صرف اس تہمت پر رکھی کہ یہ دونوں انبیاء علیہم السلام کی صف میں نہیں بلکہ (عیاذاً باللہ) عیار اور مکار دنیوی بادشاہوں کی صف میں شامل ہیں۔

اس لیے قرآنِ عزیز نے اُن کی تردید میں وہی اسلوبِ بیان اختیار کیا جو ایسے موقعہ پر اختیار

کرنا چاہیے تھا وہ یہ کہ تمام آیات میں اُن کی جلالتِ قدر، عظمتِ مرتبہ، اور منصبِ نبوت و رسالت کو بہتر سے بہتر طریقہ پر ثابت کیا، اور ساتھ ہی یہ بھی بتا دیا کہ اگر اُن سے کوئی لغزش بھی ہوئی تو وہ اُس نوع کی نہ تھی جس کی تہمتیں یہود تراشتے ہیں بلکہ اس نوع کی تھی جو اگرچہ مقربین کے لیے بمصداق حسنات الابرار سیئات المقربین "سیئہ" میں شمار ہوں مگر عوام و خواص کے لیے "حسنات" ہی گنی جاتی ہیں۔ اور پھر یہ بھی واضح کر دیا کہ حضرت داؤد جلیل القدر انبیاء کی طرح فوراً ہی اس لغزش پر متنبہ ہو گئے اور ہماری طرف رجوع کیا اور ہم نے بھی اُن کو بخشش سے نوازا۔

سب سے آخر میں "مقالہ نگار" حضرت داؤد کی جانب نسبت کردہ لغزش کے متعلق ایک علم و حکمت بیان کرتے ہوئے فرماتے ہیں :-

"اس تاویل کو قبول کرنے میں لوگوں نے صرف اس بنا پر تامل کی ہے کہ انبیاء کی طرف اس قسم کی لغزشوں کا انتساب عصمتِ انبیاء کے خلاف معلوم ہوتا ہے لیکن ان حضرات نے شائد اس امر پر غور نہیں کیا کہ عصمت دراصل انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے بلکہ اللہ تعالیٰ نے اُن کو منصب نبوت کی ذمہ داریاں صحیح طور ادا کرنے کے لیے مصلحۃً خطاؤں اور لغزشوں سے محفوظ فرمایا ہے۔ ورنہ اگر اللہ کی حفاظت تھوڑی دیر کے لیے بھی اِن سے منفک ہو جائے تو جس طرح عام انسانوں سے بھول چوک اور غلطی ہوتی ہے اسی طرح انبیاء سے بھی ہو سکتی ہے۔ اور یہ ایک لطیف نکتہ ہے کہ اللہ نے بالارادہ ہر نبی سے کسی نہ کسی وقت اپنی حفاظت اُٹھا کر ایک دو لغزشیں سرزد ہو جانے دی ہیں۔ تاکہ لوگ انبیاء کو خدا نہ سمجھ لیں اور جان لیں کہ یہ بشر ہیں خدا نہیں ہیں۔

"مقالہ نگار" کا عصمتِ انبیاء کے متعلق یہ خیال حضرت داؤد کے واقعہ سے آگے بڑھ کر ایک اصولی اختلاف پیدا کر دیتا ہے جو بہت اہم اور قابلِ توجہ ہے۔ مسئلہ "عصمت انبیاء" قرآن عزیز کا اساسی عقیدہ

ہے اور انبیاء علیہم السلام کے پیغام حق کی صداقت کا اس پر بہت زیادہ مدار ہے، یہی وجہ ہے کہ علم کلام وعقائد میں یہ معرکۃ الآراء مسئلہ سمجھا جاتا ہے، مگر سردست ہم اس پر مفصل نہیں لکھنا چاہتے انشاء اللہ مستقل کسی دوسرے موقعہ پر گزارش کرینگے۔

لیکن حسب مناسبِ مقام اس قدر گزارش کرنا ضروری سمجھتے ہیں کہ "عصمت" اور "لغزش" اگرچہ مفہوم کے اعتبار سے دو جدا جدا امور ہیں لیکن باتفاق علماء اسلام یہ دونوں بیک وقت ایک جگہ جمع ہو سکتے، اور ہو جاتے ہیں لہذا یہ کہنا کہ جب کسی پیغمبر سے لغزش ہوتی ہے تو خدا کی حفاظت و "عصمت" اٹھالی جاتی ہے۔ ہرگز صحیح نہیں ہے۔ البتہ "عصمت" اور "گناہ" یہ دونوں کبھی جمع نہیں ہو سکتے اور نہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح یہ کہنا کہ "عصمت" انبیاء کے لوازم ذات سے نہیں ہے۔ سو اگر اس کا مطلب یہ ہے کہ منطقی اصطلاح کے اعتبار سے صفتِ عصمت بذاتہا من حیث ہی ہی "ذات" کے لازمہ غیر منفکہ میں سے نہیں ہے تو اس کا دعویٰ آج تک کسی نے نہیں کیا اور اگر اس کی مراد یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی ذات میں حق تعالیٰ نے جو صفتِ "عصمت" ودیعت فرمائی ہے وہ گاہے جدا بھی ہو جاتی ہے تو بالکل باطل اور قطعاً غلط ہے۔ اس کی نظیر خود صفتِ "نبوت" ہے سو اگر پہلے معنی کے اعتبار سے نبوت کو لازمۂ ذات کہا جائے تو کوئی بھی اس کا قائل نظر نہ آئیگا، اور اگر یہ کہا جائے کہ نبی کی ذات سے بعض اوقات میں نبوت کا خلع ہو سکتا ہے تو یہ قطعاً باطل ہے۔ درحقیقت کہنا یوں چاہیے کہ صفتِ نبوت اور صفتِ عصمت آپس میں لازم وملزوم ہیں۔ اگر ذاتِ انبیاء سے نبوت کی جدائی ممکن ہے تو عصمت کی بھی ممکن اور اگر یہ ناممکن ہے تو وہ بھی ناممکن ہے۔

الغرض انبیاء سے لغزشیں ہوتی ہیں مگر وہ عصمت کے خلاف نہیں ہیں۔ نیز انبیاء سے کسی حال میں بھی "عصمت" کے خلاف کوئی عمل صادر نہیں ہوتا۔ اس لیے "مقالہ نگار" کا لطیف نکتہ لغزشوں کے بارہ میں اگرچہ صحیح ہے لیکن "عصمت" کے اٹھالیے جانے کے سلسلہ میں قطعاً ناقابلِ قبول ہے۔

اس قیل وقال کے بعد جو درحقیقت "علمی مذاکرہ" کی ایک شاخ ہے اور "مقالہ نگار" کی تنقید پر اداءِ شکریہ" کے بعد قارئین کرام سے پھر ایک مرتبہ گزارش ہے کہ یہاں معاملہ "بات کی پیچ" اور "ہٹ دھرمی" کا نہیں ہے۔ قرآنِ عزیز کے اس واقعہ کے متعلق دونوں تاویلیں اور ہر دو تاویلات پر تنقیدیں آپ کے سامنے ہیں۔ خصوصاً اُن حضرات کے سامنے جن کی نظر سے مفصل دونوں مضمون گذرے ہیں وہ خود انصاف کے ساتھ جس تاویل کو اقرب الی الصواب اور شانِ "منصبِ نبوت" کے مناسب سمجھیں اختیار فرمائیں۔ وما توفیقی الا باللہ۔

قرآن شریف کی مکمل ڈکشنری

"مِصباح الفرقان فی لغات القرآن" اُردو میں سب سے پہلی کتاب ہے جس میں قرآن مجید کے تمام لفظوں کو بہت ہی سہل ترتیب کے ساتھ اس طرح جمع کیا گیا ہے کہ پہلے خانہ میں لفظ، دوسرے میں معنیٰ اور تیسرے خانہ میں لفظوں سے متعلق ضروری تشریح، اسی کے ساتھ بعض ضروری اہم اور مفید باتیں درج کی گئی ہیں۔ مثلاً انبیائے کرام کے نام جہاں جہاں آئے ہیں ان کے حالات بیان کیے گئے ہیں، یہ کہنا بے مبالغہ ہے کہ لغت قرآن کی تشریح کے سلسلہ میں اُردو زبان میں اب تک ایسی کوئی کتاب شائع نہیں ہوئی۔ کتاب عام پڑھے لکھے مسلمانوں کے علاوہ طلباء اور انگریزی داں اصحاب کے لیے خاص طور پر مفید ہے، کتابت وطباعت عمدہ۔ بڑا سائز۔ اصل قیمت للعہ، رعایتی سعہ، خریدارانِ برہان سے ۱۲؍ (تین روپیہ بارہ آنے)

ملنے کا پتہ:- منیجر مکتبہ برہان قرولباغ نئی دہلی